Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:9 (1969)

شیخ محمد عبدہٗ

(۱۸۴۹ — ۱۹۰۵ء)

(محمد نذیر کاکاخیل، ریسرچ فیلو ادارہ تحقیقات اسلامی)

محمد علی فرمانروائے مصر کے عہد میں مصری کسان (فلاحین) نہایت عسرت و تنگدستی کے دن گزار رہے تھے۔ حکومت کی جانب سے عائد کردہ بھاری ٹیکسوں کی ادائیگی سے عاجز آکر بہت سے فلاحین نے اپنی زمینیں چھوڑ دیں اور ادھر اُدھر مارے مارے پھرنے لگے۔ محمد عبدہ کے والدین بھی اس سے بچ نہ سکے۔ چنانچہ دوسرے فلاحین کی طرح انہیں بھی اپنی زمین چھوڑنی پڑی۔ کہا جاتا ہے کہ محمد عبدہ نے اسی خانہ بدوشی کے زمانے میں آنکھیں کھولیں۔ عام طور پر ان کی تاریخ پیدائش ۱۸۴۹ء بتائی جاتی ہے۔ اور یہی تاریخ محمد عبدہ کی اکثر تحریروں میں ہمیں ملتی ہے۔ چند سال بعد عبدہ کا خاندان دوبارہ اپنے گاؤں محلات نصر آگیا اور اپنی کھوئی ہوئی زمین کا کچھ حصہ دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

ان کے والد کچھ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے۔ تاہم انھوں نے عبدہ کی تعلیم میں کافی دلچسپی لی۔ عبدہ دس سال کے تھے کہ ان کے لئے قرآن شریف حفظ کرانے کی غرض سے اتالیق مقرر کیا گیا۔ عبدہٗ نے صرف ۲ سال کے عرصہ میں قرآن حفظ کر لیا۔ اس کے بعد انہیں طنطا کی جامع احمدی میں تعلیم کے لئے بھیجا گیا۔ اس زمانے میں حصولِ تعلیم کے لئے کوئی ترغیبات نہ تھیں اور طریقۂ تعلیم بھی نہایت ناقص تھا۔ چنانچہ محمد عبدہ کا دل تعلیم سے گھبرا گیا۔ وہ چاہتے تھے کہ دوسرے ہم عمر لڑکوں کی طرح وہ بھی فلاّح بن جائیں۔ اسی دوران خوش قسمتی سے ان کے والد کے ایک چچا شیخ درویش خدر کی کوششوں سے عبدہ کا دل پڑھائی میں لگ گیا۔ اور آپ نے باقاعدہ پڑھنا شروع کیا۔ شیخ درویش ہی کے کہنے پر آپ دوبارہ طنطا کے مدرسے میں گئے۔ شیخ درویش چونکہ صوفی تھے اس لئے عبدہ بھی تصوف کی جانب مائل ہو گئے۔ یہ تصوف کے اثرات تھے، جنہوں نے آپ کی ذہنی قوائے کو بیداری بخشی۔

۱۸۶۶ء میں عبدہ نے جامعۂ ازہر میں داخلہ لیا۔ وہاں آپ مروجہ نصابی کتب کے علاوہ فلسفہ اور تاریخ کی کتابیں بھی پڑھتے رہے۔ ازہر کی تدریس کے بارے میں بعد میں وہ کہا کرتے تھے:

ازہر کے طریقے کے مطابق عربی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے میری ذہنی وعقلی قوتوں کو نقصان پہنچا ہے۔ میں نے سالہا سال تک ان طریقوں کے اثرات سے اپنے دماغ کو پاک وصاف کرنے کی کوشش کی لیکن پوری کامیابی پھر بھی نہیں ہوئی۔" [1]

۱۸۶۹ء میں پہلی دفعہ جب سید جمال الدین افغانی مصر تشریف لے گئے تو عبدہ کی ان سے ملاقات ہوئی بعد میں جب سید صاحب دوبارہ ۱۸۷۱ء میں مصر پہنچے تو عبدہ نے ان سے باقاعدہ پڑھنا شروع کیا۔ محمد عبدہ پر سید جمال الدین افغانی کے افکار کا بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ وہ تصوف کی نظری دنیا سے نکل کر عملی دنیا میں آ گئے۔ آپ سید جمال الدین افغانی کی اصلاحی تحریک میں حصہ لینے لگے۔ ازہر کی تعلیم سے عبدہ بھی مطمئن نہ تھے۔ اساتذہ کا طرز تدریس انہیں بالکل نہیں بھاتا تھا۔ سید جمال الدین کے زیر اثر وہ نہ صرف روایتی انداز سے پڑھنے پڑھانے کے مخالف ہو گئے بلکہ اندھی تقلید نے جس بری طرح لوگوں کے ذہنوں کو جکڑا تھا، آپ نے باقاعدہ اس کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ رسالۃ التوحید میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"آبائی تقلید کے لشکر (جو انسانی نفوس پر غالب ہو رہے تھے) اسلام نے ان پر سخت حملہ کر کے ان کو شکست دے دی۔ اور تقلید کے اصول جو خیالات میں راسخ ہو گئے تھے، ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اس نے عقل کو للکارا۔ خواب غفلت سے جگایا اور بلند آواز سے پکارا کہ انسان اس لئے پیدا نہیں کیا گیا کہ وہ اونٹ کی طرح مہار پکڑ کر کھینچا جائے بلکہ اس کی فطرت میں اس بات کی قابلیت اور استعداد رکھی گئی ہے کہ وہ علم کے ذریعے ہدایت حاصل کرے اور واقعات وحادثات کے اسباب اور دلائل کا سراغ لگائے .... پہلے زمانے میں ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ (ہمارے آباؤ اجداد) علم وعقل میں زیادہ تھے یا پہلے زمانے والوں کے ذہن اور عقلیں موجودہ زمانہ والوں کے ذہنوں اور عقلوں سے زیادہ تھیں، بلکہ تمیز اور فطرت کے لحاظ سے پچھلے اور اگلے سب برابر ہیں بلکہ اکثر پچھلے لوگ گزشتہ زمانہ کے حادثات اور واقعات سے واقف ہو کر زیادہ تجربہ کار اور باخبر ہو جاتے ہیں۔ گزشتہ زمانہ کے لوگوں کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں سے جو ناخوشگوار نتائج نکلے، ان سے بھی موجودہ زمانہ کے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔" [2]

طالب علمی کے زمانے میں محمد عبدہ نے اخبار الاہرام کے لئے (جو کہ اس وقت ہفتہ وار نکلتا تھا) کئی مقالے

---

[1] چارلس سی۔ ایڈمز۔ اسلام اور تجدد مصر میں۔ بحوالہ المنار۔ جلد ۸ ص ۳۹۹

[2] محمد عبدہ۔ رسالۃ التوحید۔ (مصر ۱۹۵۶ء چودھواں ایڈیشن) صفحہ ۱۴۸-۱۴۷

لکھے۔ ان میں سے ایک مقالہ "نظری دینیات اور معاصر علوم کا تقاضا" کے عنوان پر تھا۔ اس میں انھوں نے علماء کی جدید علوم سے بے رخی کا رونا رویا۔ درآں حالیکہ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ جدید علوم کو اپنا کر ملّت کو تباہی سے بچایا جائے، چنانچہ لکھتے ہیں :-

"علماء کو جو قوم کی روح ہیں، آج تک علوم حاضرہ میں کوئی فائدہ نظر نہیں آیا اور وہ اب تک انہی مشاغل میں مصروف ہیں، جو صرف پرانے اور متروک زمانے ہی کے لئے موزوں تھے۔ وہ اس حقیقت سے بالکل غافل ہیں کہ ہم آج ایک نئی دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس زمانے نے ہمیں، ہمارے مذہب کو اور ہمارے وقار کو ایک ایسے صحرا میں لا ڈالا ہے جو خونخوار شیروں سے پٹا پڑا ہے اور وہ شکار کی طلب میں بے قرار پھر رہے ہیں۔ اگر ہم شیر بن جائیں تو اپنے آپ کو اور اپنے مذہب کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ورنہ یا تو ہمیں اپنے مذہب کو چھوڑ کر اور اپنی جانیں بچا کر بھاگنا ہوگا یا اپنی غلطی اور جہالت کے باعث تباہی کا شکار ہونا پڑے گا۔ ہمیں اپنی ہمسایہ سلطنتوں اور مذہبوں کے مسائل کا مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ ہمیں ان کی ترقی کی وجہ معلوم ہو اور جب وجہ معلوم ہو تو ہمیں اس کی طرف تیزی سے دوڑنا چاہیئے تاکہ ہم ماضی پر غالب آسکیں اور مستقبل کی تیاری کر سکیں۔ ہمیں تو ان کی دولت اور قوت کا راز یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے تعلیم اور علوم حاضرہ میں ترقی کی۔ لہٰذا ہمارا فرض اوّلین یہی ہے کہ اپنی پوری قوت صرف کر کے اپنے ملک میں ان علوم کو پھیلائیں۔" [۳]

شیخ محمد عبدہ نے سیّد جمال الدین افغانی کے نئے طریقۂ تعلیم اور فلسفہ سے ان کے شغف کو صرف اپنے تک محدود نہیں رکھا بلکہ ان کا یہ معمول ہو گیا کہ وہ جامعہ ازہر کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مروجہ کتب کے علاوہ دوسری کتابیں پڑھتے اور آپس میں اُن پر مذاکرہ کرتے۔ اور یہیں سے انھوں نے ایک نئے مکتب فکر کی بنیاد رکھنے کے لئے کوششیں شروع کیں۔ چنانچہ ۱۸۷۷ء میں جب وہ ازہر سے فارغ التحصیل ہوئے تو انھوں نے مدرسی کا پیشہ اختیار کیا۔ کچھ عرصہ تک ازہر میں پڑھانے کے بعد ان کو "دار العلوم قاہرہ" میں جو کہ جدید خطوط پر تعلیم دینے کے لئے قائم کیا گیا تھا، بحیثیت تاریخ کے استاد کے مقرر کیا گیا۔ جہاں انھوں نے پہلی مرتبہ "مقدمہ ابن خلدون" پڑھانا شروع کیا۔ اس زمانے میں ایک ازہری شیخ کا مقدمہ ابن خلدون پڑھانا بہت* بڑی بات تھی۔

---

[۳] سید محمد رشید رضا۔ تاریخ استاد الامام محمد عبدہ۔ جلد دوم (مصر ۱۳۴۴ھ) ص ۳۷ و بعد۔ اور چارلس سی۔ ایڈمز۔ اسلام اور تجدد مصر میں۔ (اردو ترجمہ عبد المجید سالک) ص ۵۵

* ازہر میں اس زمانے میں ابن خلدون داخل نصاب نہ تھا۔ حالانکہ تیونس کی جامعہ زیتونہ میں ابن خلدون پڑھایا جاتا تھا

شیخ عبدہ نے "مقدمہ" کے کئی مباحث پر تنقید بھی کی۔ انھوں نے ابن خلدون کی بہت سی ایسی باتوں سے اختلاف کیا جو کہ موجودہ زمانے پر پوری نہیں اُترتی تھیں۔ انہی تنقیدی مضامین کو یکجا کر کے کتابی شکل دے دی گئی جس کا نام "علم الاجتماع وفلسفۃ التاریخ" رکھا گیا۔ (یہ کتاب شائع نہیں ہوئی۔) شیخ محمد عبدہ کے شاگرد رشید شیخ رشید رضا کے قول کے مطابق مقدمہ ابن خلدون کے تعارف نے جوان طالب علموں کی ذہنی قوتوں کو اجاگر کیا۔ اور انھوں نے اس قسم کے علوم کے حصول کے لئے دل چسپی کا اظہار کیا۔ چنانچہ آگے چل کر اسی دار العلوم کے فارغ التحصیل نوجوانوں، سعد زغلول، ابراہیم لقانی، حفنی ناصف، محمد صالح اور سلطان محمد وغیرہ نے قومی شعور بیدار کرنے اور مصر کو استعمار کے قبضہ سے آزاد کرانے میں اہم کردار ادا کیا[۱]۔ اسی زمانے میں شیخ محمد عبدہ کو "مدرسہ الالسنہ" میں بھی عربی زبان وادب کا معلم مقرر کیا گیا۔ چنانچہ وہ تینوں تعلیمی اداروں میں بیک وقت خدمات انجام دیتے رہے۔

خدیو اسماعیل کا لڑکا توفیق پاشا، سیّد جمال الدّین افغانی اور شیخ محمد عبدہ کی تعلیمات سے متاثر تھا۔ اسے ملک میں اصلاحات نافذ کرنے کی بڑی خواہش تھی۔ لیکن جب جون ۱۸۷۹ء میں وہ برسر اقتدار آیا تو حالات نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ خدیو اسماعیل کی فضول خرچیوں کی وجہ سے مصر کا دیوالیہ نکل چکا تھا۔ اور اس طرح مصر بیرونی قرضوں تلے دب گیا تھا۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اپنے مالی مفادات کے تحفظ کی خاطر مصر کی سیاست میں دخل اندازی شروع کر دی۔ جمال الدین اور عبدہ اس کے خلاف تھے چنانچہ برطانوی قونصل کے اشارے پر سیّد صاحب کو مصر چھوڑنے اور شیخ عبدہ کو اپنے آبائی گاؤں "محلات نصر" چلے جانے کا حکم دیا گیا۔ لیکن عبدہ کی یہ نظربندی عارضی ثابت ہوئی۔ جلد ہی وزیر اعظم ریاض پاشا کی کوششوں سے ان کو قاہرہ بلایا گیا اور سرکاری اخبار "وقائع المصریۃ" کا شریک ایڈیٹر اور بعد میں چیف ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔

"وقائع المصریہ" میں شیخ عبدہ نے اصلاحی مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی طبیعت ابتدا ہی سے اصلاح پسند تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ان مضامین کے ذریعہ رائے عامہ کو بیدار کریں۔ یہیں سے ان کی اصلاحی تحریک کا آغاز ہوتا ہے۔ اس اصلاحی تحریک کے ان کی نظر میں چار مقاصد تھے:-

۱- دین اسلام کو غلط اثرات اور ناپسندیدہ اعمال سے پاک وصاف کر کے اس مقام تک پہنچانا جہاں یہ خلافتِ راشدہ کے دور میں تھا۔

---

[۱] تاریخ۔ جلد اوّل۔ صفحہ ۱۳۶-۳۷

۲۔ مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کی اصلاح کرنا۔

۳۔ اسلامی نظریات کو جدید فکر کی روشنی میں ڈھالنا۔

۴۔ اسلام کا مغربیت کے اثرات اور مسیحی حملوں سے بچاؤ۔

اصلاح کے لئے آپ نے پہلی شرط یہ ضروری قرار دی کہ ملک میں سیاسی استحکام ہو۔ ان کے نزدیک استحکام کے لئے یہ بات نہایت اہم ہے کہ ملکی قوانین کا احترام کیا جائے[۵] قانون کو اپنے ہاتھوں میں لینے والوں سے وہ کہتے ہیں کہ وقتی طور پر گھمنڈ میں آکر تم ایسی حرکات کر لیتے ہو جو بظاہر نفع بخش لیکن حقیقتاً نقصان دہ ہوتی ہیں۔ اٹھو اور دیکھو تمہاری طرح دوسرے لوگوں (یورپین) نے قوانینِ ملکی کا احترام کر کے اپنے آپ کو کہاں پہنچایا اور کس طرح اپنے حقوق کا بول بالا کیا[۶] اس کے ساتھ ساتھ شیخ محمد عبدہ نے حکمران طبقہ کو بھی یہ مشورہ دیا کہ وہ عوام کے منتخب شدہ نمائندوں (اولی الامر) کے صلاح و مشورے سے حکومت چلائے۔ اہل الشوریٰ چونکہ عوام کے قابل اعتماد نمائندے ہوتے ہیں، لہٰذا ان کا یا ان کے مشورے سے بنایا ہوا قانون اصل میں عوام ہی کا بنایا ہُوا قانون ہوتا ہے[۷] انھوں نے واضح کیا کہ ملک میں نافذ کردہ قوانین ایسے ہونے چاہئیں جن کو لوگ سمجھ سکیں اور جو ملک کے خاص حالات کے مطابق ہوں۔ قوانین چونکہ حالات کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ ان پر جغرافیائی حالات اور مقامی رسم و رواج کا اثر پڑتا ہے اس لئے ایک ملک یا زمانے کے قوانین دوسرے ملک یا زمانے میں بعینہٖ نافذ نہیں کرنے چاہئیں۔ بصورتِ دیگر وہ موجودہ نظام کو تباہ کر کے رکھ دیں گے۔[۸]

"وقائع المصریہ" کے مضامین میں شیخ محمد عبدہ نے اس بات پر زور دیا کہ قوم کی اصلاح کے لئے ایک لمبی مدت درکار ہوتی ہے۔ رسم و رواج جو ہمارے معاشرے میں راسخ ہو چکے ہیں، ان کو بتدریج بدلنا چاہیئے۔ چونکہ قوم کی ترقی کا دار و مدار افراد کی ترقی پر ہوتا ہے لہٰذا ابتداء افراد کی ترقی سے ہونی چاہیئے۔ عوام کے کردار اور خیالات کی اصلاح قوم کا اہم ترین فریضہ ہے۔ اس کے بغیر کوئی اصلاح ممکن نہیں۔ ان سب کا علاج یہی ہے کہ عوام میں تعلیم عام کی جائے۔ اور موجودہ طریقہ تعلیم کو بہتر بنایا جائے۔ یورپی قوانین و اخلاق اپنانا بُری بات نہیں۔ بشرطیکہ ہم ان کا اچھا اثر قبول کریں۔ بصورتِ دیگر ان کی تقلید ہمارے اپنے اخلاق و عادات کو بھی ملیامیٹ کر دے گی۔ محض رسالے یا اخبارات جاری کرنا بھی اصلاحی تحریک کو آگے نہیں بڑھائیں گے۔ ضرورت اس امر کی

---

[۵] تاریخ۔ جلد دوم صد ۵۲ ۔ [۶] ایضاً صد ۹۶ ۔ [۷] ایضا صد ۲۰۳ ۔ [۸] ایضا صد ۱۵۸

ہے کہ قوانین کو سمجھانے اور اصلاحی تحریک کو بڑھانے کے لئے دیہات، قصبوں اور شہروں میں مختلف کمیٹیاں قائم کی جائیں جن کا کام حکومت کے نافذ کردہ قوانین اور اصلاحی پروگرام سے عوام کو روشناس کرنا ہو تاکہ عوام ان میں شامل ہو کر زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔[9]

شیخ محمد عبدہ نے معاشرتی اصلاحات کے سلسلے میں "وقائع المصریہ" میں کئی ایک مقالے لکھے۔ عائلی قوانین کے بارے میں ان کے دو مقالے "ما حاجۃ الانسان الی الزواج" اور "حکم الشریعۃ فی تعدد الزوجات" نہایت اہم ہیں۔ اول الذکر مقالے میں انھوں نے ازدواج کو ایک ضروری ادارہ قرار دیا۔ دوسرے مقالے میں انھوں نے کثرت ازدواج سے سماج میں پیدا ہونے والی ناانصافیوں کو تسلیم کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ ان ناانصافیوں کا اثر عائلی زندگی پر تباہ کن ہوتا ہے۔ شریعت اسلامی نے ہر بیوی کے ساتھ انصاف کرنے کا جو حکم دیا ہے، اس کا عملی منشا یہ ہے کہ بیک وقت صرف ایک بیوی پر اکتفا کیا جائے۔[10] اس کے علاوہ انھوں نے کئی ایک مقالوں میں ملک کے اندر رائج شدہ بری رسومات اور عادات کی مذمت کی اور ان کی اصلاح کی ضرورت پر زور دیا۔ انھوں نے رشوت خوری کو ایک مذموم بیماری قرار دے کر اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ چھوٹے چھوٹے معاملات تک میں عدل و انصاف حاصل کرنے یا سرکاری کارروائی نافذ کرانے کی غرض سے رشوت عام طور پر مسلّم اور رائج ہے، آپ نے بتایا کہ اس کا سختی سے سدّباب ہونا چاہیئے۔[11]

اس دوران میں مضمون نگاری کے علاوہ شیخ محمد عبدہ نے عملی طور پر بھی اصلاح کے لئے بہت کچھ کیا۔ مارچ ۱۸۸۱ء میں تعلیم کی جو اعلیٰ کونسل قائم کی گئی، محمد عبدہ کو اس کا ممبر بنایا گیا۔ آپ اس سب کمیٹی کے ممبر بھی چنے گئے جو تمام مدارس میں تعلیمی پروگرام کو بہتر بنانے کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ دوسرے محکموں کی طرح محکمہ اوقاف بھی آپ کے مفید مشوروں اور تجاویز سے فائدہ اٹھاتا تھا۔

شیخ محمد عبدہ کل اٹھارہ مہینے تک "وقائع المصریہ" کے ایڈیٹر رہے۔ مئی ۱۸۸۲ء میں ان کو ایڈیٹری سے الگ کر دیا گیا۔ جولائی ۱۸۸۲ء میں عرابی پاشا اور انگریزوں کے درمیان جنگ کے بعد انگریز ملک پر قابض ہو گئے۔ عرابی اور ان کے ساتھیوں پر مقدمہ چلایا گیا۔ شیخ عبدہ پر بھی عرابی کی تحریک میں حصہ لینے کا الزام تھا۔ ان پر مقدمہ چلا اور انہیں تین سال کے لئے جلاوطن کر دیا گیا۔ شیخ عبدہ شام اور وہاں سے بیروت چلے گئے۔ کچھ عرصہ

---

[9] ایضاً مضمون زیر عنوان خطاء العقلاء صہ ۱۱۹ وبعد۔ [10] ایضاً صہ ۱۸-۱۱۳۔ [11] ایضاً صہ ۸۶-۸۴

وہاں قیام کرنے کے بعد اپنے استاد و رہنما سید جمال الدین افغانی کی دعوت پر پیرس چلے گئے۔ جہاں دونوں نے ایک انجمن "عروۃ الوثقیٰ" قائم کی اور اسی نام سے ۱۳ ار اپریل ۱۸۸۴ء کو ایک عربی رسالہ بھی جاری کیا۔ اس جریدے میں شائع ہونے والے مقالات کا مرکزی خیال سید صاحب کا ہوا کرتا تھا اور اسے لکھتے شیخ محمد عبدہ تھے۔ اس رسالے کے مقاصد جریدے کے اپنے الفاظ کے مطابق یہ تھے :۔

"یہ جریدہ بقدر امکان مشرقی قوموں کے سامنے ان ضروری کاموں کی تفصیلات بیان کرے گا جن میں کسی طرح بھی کمی کرنا بربادی، کمزوری اور تباہی کا سبب ہے۔ وہ ان راستوں کی طرف رہنمائی کرے گا جن پر چلنا تلافیٔ مافات کے لئے از بس ضروری ہے۔ یہ جریدہ مشرق کے اعلیٰ طبقہ کی نگاہوں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کرے گا اور ان شبہات کو دور کرے گا جن کی وجہ سے ہدایت اور کامیابی کا راستہ ان کی نظروں سے چھپ گیا ہے۔ یہ جریدہ اس غلط خیال کو مٹائے گا کہ مسلمان اپنے اسلاف کے قائم کردہ اصولِ کامیابی پر کاربند رہ کر کامیابی نہیں حاصل کر سکتے۔"

جریدہ "العروۃ الوثقیٰ" کا خطاب عام طور پر مشرق اور خصوصاً مسلمانوں سے ہوتا تھا اور وہ انہیں برطانوی استعمار کے خلاف ابھارتا تھا۔ انگریزوں کو ڈر پیدا ہو گیا کہ اگر یہ رسالہ نکلتا رہا تو ان کے خلاف بغاوت کے خیالات پھیل جائیں گے۔ چنانچہ "العروۃ الوثقیٰ" کا داخلہ ہندوستان اور مصر میں بند کر دیا گیا۔ اور اس طرح رسالہ کی اشاعت ممکن نہ رہی، اس کے بعد سید صاحب روس اور شیخ محمد عبدہ انگلستان چلے گئے جہاں انھوں نے انگریزوں کے ساتھ مسئلہ سوڈان پر تبادلہ خیال کیا۔ ساتھ ساتھ مصر کے مسائل پر بھی بحث ہوئی۔ اور انگریزوں پر یہ واضح کیا گیا کہ مصری اگرچہ ناخواندہ ہیں لیکن ان میں وطنی شعور کا فقدان نہیں۔ ان کا دین، دینِ اسلام ہے، جو ان کو کبھی بھی غیر ملکیوں کے آگے جھکنے کی اجازت نہیں دے گا۔

۱۸۸۵ء کے اوائل میں شیخ محمد عبدہ بیروت چلے گئے۔ کافی نشیب و فراز دیکھنے کے بعد استاد کے اثر سے مزاج میں جو گرمی پیدا ہو گئی تھی، وہ کچھ ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ وہ اب ہر چیز کو عقل اور منطق کی عینک سے دیکھنے لگے۔ ان کا یقین پختہ ہو گیا کہ جب تک مذہبی اصلاح نہ ہو، دوسری ساری باتیں بے اثر ہوں گی۔ بیروت میں ان کو "مدرسہ السلطانیہ" میں استاد مقرر کیا گیا۔ جہاں انھوں نے "اسلامی نظریات" پر بڑے اہم اور بنیادی لکچر دیئے۔ انہی لکچرز کو بعد میں ترمیم کے ساتھ "رسالۃ التوحید" کی شکل میں پیش کیا گیا۔ دریں اثناء سلطنت عثمانیہ کے فرماں روا سلطان عبدالحمید نے شیخ الاسلام کی صدارت میں اسلامی مدارس کی اصلاح کے لئے

ایک کمیٹی کے قیام کا اعلان کیا۔ شیخ محمد عبدہ نے مروجہ نظام تعلیم کی خرابیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اس کی اصلاح کے لئے بڑی مفید تجاویز پیش کیں۔ شیخ الاسلام کے نام ایک مکتوب میں انھوں نے لکھا۔[۱۲]

"پورے تعلیمی نظام کو تین درجوں میں تقسیم کیا جائے۔ درجہ اوّل عام لوگوں کے لئے ہو جو مختلف قسم کے پیشے اختیار کرنا چاہتے ہوں۔ ان لوگوں کو مسلمہ اسلامی اصول سکھانے ضروری ہیں لیکن ان کو مختلف فرقوں کے اختلافات کا علم نہیں ہونا چاہیئے۔ البتہ حرام وحلال کی تمیز ضروری ہے۔ انہیں مختصر اسلامی تاریخ بھی پڑھائی جائے۔ علاوہ ازیں ان کو وہ وجوہات بھی بتائی جانی چاہئیں جن کی وجہ سے اسلام اتنی سرعت کے ساتھ پھیلا تھا۔

"درجہ دوم ان لوگوں کے لئے ہو، جو سرکاری دفتروں میں ملازمت کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ان کو منطق، فلسفہ، دین میں عقل کی اہمیت، اخلاقیات، سلف کی زندگی کے حالات اور دین اسلام کی مختصر تاریخ پڑھانا لازمی ہے۔

درجہ سوم میں وہ لوگ آتے ہیں جو مدرسی کا پیشہ اختیار کرنا چاہتے ہوں۔ ان کو مذہبی علوم پر پورا عبور حاصل کرنا چاہیئے۔ وہ عربی زبان میں استعداد حاصل کریں۔ قرآن کریم کا مطالعہ اس انداز سے ہونا چاہیئے کہ وہ خاص حالات جن میں قرآن نازل ہوا تھا، اس کا نقشہ سامنے آجائے تاکہ اصل مفہوم واضح ہو جائے۔ صحیح احادیث کا جاننا بھی از بس ضروری ہے۔ اس کے علاوہ فقہ، اخلاقیات نیز قدیم وجدید تاریخ نہ صرف عظمت کے زمانے کی بلکہ زوال کے زمانے کی بھی۔ تاکہ مسلمانوں کے زوال کے اسباب بھی معلوم ہوں۔"

۱۸۸۸ء میں شیخ محمد عبدہ کو مصر جانے کی اجازت مل گئی۔ انگریزوں کو یقین تھا کہ عبدہ جو مذہبی اصلاح کو فوقیت دیتے ہیں، سیاست میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔ کہا جاتا ہے کہ خدیو پر لارڈ کرومر نے دباؤ ڈالا تھا کہ وہ عبدہ کو مصر آنے کی اجازت دے دے۔ مصر میں واپسی پر ان کو ایک مقامی عدالت میں قاضی مقرر کیا گیا۔ ۱۸۹۹ء میں ترقی دے کر ان کو مفتی بنا دیا گیا۔ اسی سال ان کو مجلس شوریٰ کا مستقل ممبر بھی نامزد کیا گیا۔

جب شیخ محمد عبدہ واپس مصر پہنچے تو ملک پر انگریزوں کا مکمل قبضہ تھا۔ مصر کی سیاست میں اس وقت دو پارٹیاں اہم کردار ادا کر رہی تھیں۔ ایک پارٹی ازہری قدامت پسندوں اور ان کے رفقاء کی تھی جو جدید علوم اور مغربی افکار کو قبول کرنے کے لئے بالکل تیار نہ تھی۔ دوسرا گروہ جس کی قیادت مصطفیٰ کامل کر رہے تھے، جدید تعلیم یافتہ لوگوں کا تھا۔ یہ لوگ سیکولرزم کی طرف مائل تھے اور مغرب کی ہر چیز کو قبول کرنے پر آمادہ تھے

---

[۱۲] تاریخ۔ حصہ دوم۔ صد ۵۱۲ وبعد

علاوہ ازیں اس گروہ کا یہ خیال تھا کہ ہمیں سب سے پہلے انگریزوں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنی چاہیئے۔ اور اس کے بعد اصلاح کی طرف قدم بڑھانا چاہیئے۔ محمد عبدہ نے ان میں سے کسی سے بھی اتفاق نہ کیا کیونکہ دونوں ان کے نزدیک انتہا پسند تھے۔ انھوں نے درمیانی راستہ اختیار کیا۔ وہ نہ تو ماضی کی طرف لوٹنے کے حق میں تھے اور نہ مغرب کی اندھا دھند تقلید کے لئے تیار تھے۔

جہاں تک انگریزوں کا تعلق ہے، وہ ان کے پہلے جتنے مخالف تھے، جلاوطنی کے بعد اسی قدر ان کے قریب ہو گئے ان کا یہ خیال تھا کہ مصریوں کو آزادی اس وقت ملنی چاہیئے، جب وہ تعلیم کے میدان میں آگے ہوں اور ان کے مذہبی عقائد درست ہوں۔ انگریزوں کے زمانے میں حالات کچھ اس طرح بدل رہے تھے کہ محمد عبدہ اس صورت حال سے مطمئن تھے۔ چنانچہ عبدہ نے مصر میں انگریزوں کے عارضی قیام پر اعتراض نہیں کیا بلکہ وہ ان کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ ایک دفعہ کسی ہندوستانی نے ان سے[۱۲] غیروں کے ساتھ موالات کے بارے میں فتویٰ پوچھا عبدہ نے چاروں مذاہب کے چیدہ چیدہ علماء کا نقطہ نظر پیش کرنے کے بعد یہ فتویٰ دیا:-

"کتاب وسنت اور سلف صالحین کے عمل سے یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ مسلمانوں کی بھلائی کے لئے غیر مسلموں اور غیر صالحین سے مدد مانگنا روا ہے۔ جو لوگ مسلمانوں میں اتفاق پیدا کرنے اور یتامیٰ کی تربیت کے لئے غیروں کی مدد کی طرف رجوع کرتے ہیں، وہ آنحضرت صلعم اور ان کے اصحاب کرامؓ کے اسوۂ حسنہ پر چلتے ہیں۔ جو ان مسلمانوں کو کافر یا فاسق کہتے ہیں تو وہ خود کافر اور فاسق ہیں۔ داعیوں پر لازم ہے کہ اپنی دعوت کی اشاعت میں کوشش کریں اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروا نہ کریں اور نہ ان کی گالی سے رنجیدہ ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی کامیابی کا ذمہ دار ہے اگر وہ حق و صبر کا دامن تھامے رہیں۔"[۱۳]

فتویٰ کا عربی متن یہ ہے:-

فقد قامت الادلة من الكتاب والسنة وعمل السلف على جواز الاستعانة لغير المؤمنين وغير الصالحين، على ما فيه خير ومنفعة للمسلمين، وان الذين يعمدون الى هذه الاستعانة لجمع كلمة المسلمين وتربية ايتامهم، وما فيه خير لهم، لم يفعلوا الا ما اقتضته الاسوة الحسنة بالنبي

[۱۲] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ جلد اوّل۔ صفحات ۸۴۶ وبعد

[۱۳] سید محمد رشید رضا۔ تاریخ استاذ الامام۔ جلد اول (قاہرہ ۱۹۳۱ء) ص ۶۶۲

واصحابه، وان من كفرهم او فسقهم فهو بين احد الامرين اما كافر او فاسق، فعلى دعاة الخير أن يجدوا في دعوتهم، وان يمضوا على طريقتهم، ولا يحزنهم شتم الشاتمين، ولا يغيظهم لوم اللائمين، فالله كفيل لهم بالنصر اذا اعتصموا بالحق والصبر۔ والله اعلم۔ (تاریخ الاستاذ الامام)

شیخ محمد عبدہ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ جامعہ ازہر کی اصلاح کی جائے۔ اس سے پہلے حکومت نے سرکاری سطح پر ازہر میں اصلاح کی کوشش کی تھی لیکن ازہری شیوخ نے اس میں روڑے اٹکائے تھے۔ اور اصلاح کی کوشش کو ناکام بنا دیا تھا۔ خدیو توفیق کی وفات کے بعد جب عباس اول کو وی آنا سے بلا کر مسند اقتدار پر بٹھایا گیا تو عبدہ کو اس نوجوان سے ازہر میں اصلاح کی امید پیدا ہوگئی۔ جب ان کی خدیو سے ملاقات ہوئی تو اس نے شیخ عبدہ سے ازہر کی اصلاح کے لئے تجاویز پیش کرنے کو کہا۔ تجاویز پیش کرنے پر شیخ حسونہ کی زیر صدارت ایک مجلس انتظامیہ کے قیام کا اعلان کیا گیا جس میں شیخ محمد عبدہ اور شیخ عبدالکریم سلمان سرکاری نمائندے تھے۔ ابتداء میں تو شیخ عبدہ کو قدرے کامیابی ہوئی۔ لیکن جب نصابی کتب اور طریقہ تدریس کی باری آئی تو ازہری شیوخ نے ان کے راستے میں روڑے اٹکانا شروع کئے اور وقتی طور پر ان کی سکیم ناکام ہوگئی۔ شیخ عبدہ کا خیال تھا کہ دین اسلام عقل اور فہم کا دین ہے۔ اس لئے دین میں عقل کو وہ بنیادی اہمیت دیتے تھے۔ رسالۃ التوحید میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"قرآن ہمیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ ہم مخلوق کو دیکھیں۔ اس کے بارے میں سوچیں اور حقائق معلوم کریں۔ وہ ہمیں ان لوگوں کی تقلید سے منع کرتا ہے جنہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کی اور نتیجۃً ان کے عقائد پراگندہ ہوگئے اور وہ خود بحیثیت ایک امت کے مٹ گئے۔"[۱۴]

لیکن شیخ عبدہ کے نزدیک یہ بھی عقل کا تقاضا ہے کہ ان حدود کا اعتراف کیا جائے جن سے کہ آگے عقل انسانی نہیں جا سکتی۔ چنانچہ آگے چل کر وہ رسول اللہ صلعم کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں: "تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی ذاتہ فتھلکوا" یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات پر فکر کرو لیکن اس کی ذات پر فکر نہ کرو مبادا تم تباہ ہو جاؤ۔ اور لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بجائے خود مستند ہو یا نہ ہو لیکن عام مطالب کے اعتبار سے اور قرآن کی مفصل تعلیمات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے[۱۵] لہذا قرآن اور احادیث نبوی سے یہ بات ثابت ہے کہ عقل

۱۴؎ محمد عبدہ۔ رسالۃ التوحید ص ۲۴ ۱۵؎ ایضاً ص ۴۶

دین اسلام کی ممد و معاون ہے۔ اس ضمن میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

"(قرآن کی اس آیت) ھوالذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً۔ وہ جس نے زمین میں" تمہارے لئے سب کچھ پیدا کیا۔۔ سے ظاہر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے کسی ظاہری یا مخفی شے کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ نہ اس نے راستے میں جس پر وہ سچائی کی جانب چل رہے تھے کوئی رکاوٹ پیدا کی۔ اس لئے کہ قرآن نے عقل کو زیادہ سے زیادہ اہمیت کا مقام عطا فرمایا۔ اس کو مسرت کے حصول کے متعلق، حق و باطل کے درمیان امتیاز کے معاملے میں اور مضرت رساں اور مفید امور کے مسئلے میں آخری فیصلے کا حق دار ٹھہرایا ہے۔ اور اس لئے رسول اللہ صلعم کی مستند حدیث ہے۔ انتم اعلم بامور دنیاکم (تم دنیاوی معاملات میں زیادہ جانتے ہو) علاوہ ازیں حضور صلعم نے خود جنگ بدر کے موقع پر ایسے تجربات کو، جو قابل اعتماد ثابت ہو چکے تھے اور ایسی آراء کو قبول کر کے جو صحیح ثابت ہو چکی تھیں، ہمارے لئے ایک پاکیزہ سنت قائم کر دی ہے۔"[16]

دین میں تفرقہ پھیلانے والوں اور مختلف عقائد پر لڑنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے شیخ محمد عبدہ کہتے ہیں:-

"ہمارا جس چیز پر عقیدہ ہے، وہ یہ ہے کہ دین اسلام عقائد کی وحدانیت کا دین ہے نہ کہ احکام میں افراط و تفریط کا۔ عقل اس کے مضبوط ترین مددگاروں میں سے ہے اور نقل اس کے قوی ترین ارکان میں سے ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب شیطانی وسوسے ہیں"۔[17]

شیخ محمد عبدہ عمر بھر نہ صرف قدیم علوم میں نئی روح پھونکنے کی تگ و دو میں مصروف رہے بلکہ وہ جدید علوم کو بھی بڑی اہمیت دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جدید علوم ترقی کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ مغرب نے جو مادی اور روحانی ترقی کی ہے، وہ جدید علوم ہی کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس میدان میں ان کی پیروی کرنی چاہیئے[18] یہ علوم خود ان کی ہی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ مسلمان دین کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے بھی ان کو اختیار کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اسلام بذاتِ خود عقل کا دین ہے۔ لہٰذا جدید علوم کسی بھی حالت میں اسلام کے منافی نہیں بلکہ یہ تو اسلام کے ممد و معاون ہیں۔[19]

ٹرانسوال (افریقہ) کے بعض مسلمانوں نے شیخ محمد عبدہ سے یہ استفتاء کیا:-

۱۔ ایک جنگلی گائے کے سر پر تلوار ماری جاتی ہے جس سے وہ گر پڑتی ہے اور بسم اللہ پڑھے بغیر ذبح کر لی جاتی ہے۔ کیا اس کا کھانا حلال ہے؟

---

[16] رسالۃ التوحید صد ۲۰ [17] ایضاً صد ۲۳ [18] تاریخ جلد دوم صد ۳۴ - ۴۰

[19] محمد عبدہ۔ الاسلام والنصرانیہ صد ۲۰۲۔ البرٹ حورانی۔ عربک تھاٹ ان دی لبرل ایج۔ صد ۱۴۸

۲- اس ملک کے بعض لوگ بعض مصالح اور فوائد کے پیش نظر انگریزی ٹوپیاں استعمال کرتے ہیں، ان کا پہننا کیسا ہے؟

شیخ محمد عبدہ نے اول الذکر کے بارے میں حلال ہونے کا فتوٰی دیا۔ اس پر علماء مصر نے ایک قیامت برپا کر دی اور کہا کہ یہ تو موقوذہ کے حکم میں آتا ہے جس کا کھانا حرام ہے۔ شیخ عبدہ نے کہا۔ موقوذہ تو وہ ہوتا ہے جس کو کند ہتھیار، پتھر یا لکڑی سے مارا جائے۔ لیکن اس گائے کو تو مرنے سے پہلے ذبح کر لیا گیا تھا۔ موخر الذکر یعنی انگریزی ٹوپی پہننے کے جواز کا بھی فتوٰی دیا گیا۔ شیخ عبدہ کا استدلال یہ تھا کہ اگر اس ٹوپی کا پہننے والا اسلام کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار نہیں کرنا چاہتا تو اس کو کافر کیسے سمجھا جائے گا؟ اس سے غرض تو صرف دھوپ اور جسمانی ضرر سے بچنا ہے۔ اس میں کوئی ناپسندیدہ بات نہیں ہے۔[20]

شیخ محمد عبدہ کے مندرجہ بالا فتوؤں سے در اصل مقصود یہ تھا کہ ایک ہی جگہ رہ کر مختلف مذہبوں کے لوگ ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اور وہ ایک دوسرے کا کھانا کھا لیا کریں۔ ان کی خواہش تھی کہ سب مذاہب کے لوگ آپس میں اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں۔ اور یہ کہ دین اسلام ایک ایسا دین ہے جو ہر زمانے اور حالات میں مطابقت کرنے کا اہل ہے۔ لیکن ان کے ہمعصران کو نہ سمجھ سکے۔ چنانچہ ان کے خلاف ایک ہنگامہ برپا کر دیا گیا۔ علماء اور سیاسی مخالفین نے ان کی مخالفت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ انہیں ہر طرح سے بدنام کرنے کی کوششیں کی گئیں لیکن شیخ عبدہ ایک عظیم انسان تھے۔ وہ ان نامساعد حالات سے ذرہ بھر نہیں گھبرائے بلکہ سینہ سپر ہو کر اصلاحی تحریک کو آگے بڑھاتے رہے۔

جون ۱۸۹۹ء میں شیخ محمد عبدہ کو مصر کی مجلس قانون ساز کا مستقل رکن چن لیا۔ بہت ہی کم مدت میں انھوں نے اس مجلس میں اپنے لئے ایک الگ مقام پیدا کر لیا۔ ان کی آراء نہایت احترام سے سنی جاتی تھیں اور اکثر ان کے مشوروں پر عمل کیا جاتا تھا۔ نمائندہ حکومت کے قیام کے سلسلے میں مصر میں ابھی ابتدائی اقدام کئے جا رہے تھے۔ چنانچہ اس بارے میں ان کے مشورے بڑے مفید ثابت ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ قرآن نے ہمیں اعلیٰ اور مکمل اصول دیئے ہیں، جن پر ہم اپنی حکومت کی بنیادیں استوار کر سکتے ہیں۔ جہاں تک دنیاوی اور معاشرتی معاملات کا تعلق ہے اللہ نے ہمیں مکمل آزادی دے رکھی ہے۔ اہل الشوریٰ پر قرآن اور سنت صحیحہ کے علاوہ کوئی اور پابندی نہیں اور قرآن اور سنت تہذیب و تمدن کی ترقی کی راہ میں حائل نہیں ہوتے۔ اگر مغربی مفکرین کہتے ہیں کہ عوام مقتدر اعلیٰ ہیں تو ہمارے پاس بھی اس کا جواز موجود ہے۔ دنیاوی معاملات کے بارے میں جہاں قرآن یا حدیث صحیح کی واضح نص نہ ہو (اور ایسے نصوص جو کہ دنیاوی معاملوں کے بارے میں ہوں، بہت کم ہیں

---

[20] تفصیلات کے لئے دیکھئے تاریخ جلد اوّل۔ صفحات ۶۷۵ و بعد

جیساکہ رازی نے فرمایا ہے) بلاشبہ مسلمان مقتدر اعلیٰ ہیں [21] اس کا عربی متن یہ ہے:۔

فالامر الذی لاریب فیہ: أن اللہ تعالیٰ ھدانا الی افضل واکمل الاصول والقواعد لنبنی علیھا حکومتنا ونقیم بھا دولتنا وکل ھذا البناء الینا فاعطانا بذلک الحریۃ التامۃ والاستقلال الکامل فی امورنا الدینویۃ ومصالحنا الاجتماعیۃ وذلک انہ جعل امرنا الشوری بیننا ینظر فیہ اھل المعرفۃ والمکانۃ الذین نثق بھم ویقررون لنا فی کل زمان ماتقوم بہ مصلحتنا وتسعد امتنا لا یتقیدون فی ذلک بقید الاھدایۃ الکتاب العزیز والسنۃ الصحیحۃ المبینۃ لہ ولیس فیھما قیود تمنع سیر المدنیۃ اوترھق المسلمین عسراً فی عمل من الاعمال بل اساسھا الیسر ورفع الحرج والعسر وحظر الضار واباحۃ النافع، وکون ماحرم لذاتہ یباح للضرورۃ وماحرم لسد الذریعۃ یباح للحاجۃ ومراعاۃ العدل لذاتہ ورد الامانات الی اھلھا ولکننا مارعینا ھذہ الھدایۃ حق رعایتھا فقیدنا انفسنا بالوف من القیود التی اخترعناھا وسمیناھا دینا فلما اقعدتنا ھذہ القیود عن مجاراۃ الامم فی المدنیۃ والعمران صار حکامنا الذین خرجوا بنا عن ھذہ الاسس والاصول المقررۃ فی الکتاب والسنۃ فریقین فریقا رضوا بالقعود واختاروا الموت علی الحیاۃ توھماً منھم انھم بحافظھم علی قیود ھم التقلیدیۃ محافظون علی الاسلام۔ قائلین ان الموت علی ذلک خیر من الحیاۃ باتباع غیر المسلمین فی اصول حکومتھم وفریقاً رأوا انہ لابد لھم من تقلید غیر المسلمین فی قوانینھم الاساسیۃ اوالفرعیۃ فکان کل من الفریقین یجعلہ حجۃ علی الاسلام فی الظاھر والاسلام حجۃ علیھم فی الحقیقۃ فکتاب اللہ حی لایموت ونورہ متألق لایخفی وان جعلوا بینہ وبینھم ألف حجابا (۶:۱۴۹ قل فللہ الحجۃ البالغۃ)

لیس بین القانون الاساسی الذی قررتہ ھذہ الایۃ علی ایجازھا وبین القوانین الاساسیۃ لأرقی حکومات الارض فی ھذہ الازمان الافرق لیسیر نحن فیہ اقرب الی الصواب واثبت فی الاتفاق منھم اذانحن عملنا بما ھدانا الیہ ربنا: ھم یقولون ان مصدر القوانین الامۃ ونحن نقول بذلک فی غیر المنصوص فی الکتاب والسنۃ کما قررہ الامام الرازی انفاً والمنصوص قلیل جداً۔

خود مسلمان مقتدر اعلیٰ ہیں لیکن چونکہ پوری قوم قانون سازی کا کام سرانجام نہیں دے سکتی لہذا وہ اپنے نمائندوں کو چن لیتی ہے۔ جوکہ قانون سازی کے ساتھ ساتھ حکمران جماعت کی نگرانی بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اصل میں اولی الامر ہیں۔ رشید رضا کے قول کے مطابق محمد عبدہ اس آیت "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" پر کافی سوچ بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ

---

[21] محمد رشید رضا۔ تفسیر قرآن الحکیم لہ شیخ محمد عبدہ۔ جلد پنجم۔ صد ۱۹۰-۱۸۹

"اولی الامر سے مسلمانوں میں سے اہل الحل والعقد کی جماعت مراد ہے۔ جو کہ حکمران جماعت، علماء، فوج کے قائدین اور ان دوسرے رؤساء اور زعماء پر، جن کی طرف لوگ عام مصالح اور ضروریات کے وقت رجوع کرتے ہیں، مشتمل ہوتی ہے۔ یہ لوگ جب دنیاوی امور کے بارے میں کوئی متفقہ فیصلہ کرتے ہیں، تو عوام پر ان کی اطاعت لازمی ہو جاتی ہے بشرطیکہ یہ لوگ ہم میں سے ہوں اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی مخالفت نہ کر رہے ہوں۔ اور جہاں تک عبادات اور دینی عقائد کا تعلق ہے، اہل الحل والعقد کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اللہ اور رسول نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، وہ کافی ہے۔ کسی کو ان میں رائے زنی کی ضرورت نہیں، سوائے اس کے جو اس کے فہم میں آئے۔" ٢٢

ایک اور موقع پر شیخ محمد عبدہ لکھتے ہیں کہ یہ عام تاثر جو دیا جا رہا ہے کہ علماء اولی الامر ہیں۔ یا یہ کہ حکمران ہی اولی الامر ہیں، صحیح نہیں ہے ٢٣ اولی الامر کے انتخاب کا معاملہ خاص حالات اور وقت پر منحصر ہے لیکن اس ضمن میں جو اصول پیش نظر رہنا چاہیئے وہ CHECKS AND BALANCE کا۔ یعنی عوام یہ دیکھیں کہ ان کے نمائندے کہیں اختیارات کا ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھا رہے ہیں۔ اگر عوام یہ محسوس کریں تو ایسے لوگوں کو دوبارہ منتخب نہ کریں ٢٤ اسی طرح نمائندوں کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ عوام کو بھلائی کی تلقین کریں اور ان کو برے کاموں سے باز رکھیں۔ حکمران جماعت اگر اہل الشوریٰ کا بنایا ہوا قانون نافذ کرنے میں ناکام رہے تو اہل الشوریٰ کو باز پرس کرنے کا حق حاصل ہے۔

محمد عبدہ نے نہ صرف اسلام کو اندرونی خطروں سے بچانے کی سعی کی بلکہ وہ بیرونی حملوں کی مدافعت بھی کرتے

---

٢٢ ان المراد باولی الامر جماعة اهل الحلّ والعقد من المسلمين وهم الامراء والحكام والعلماء ورؤساء الجند وسائر الرؤساء والزعماء الذين يرجع اليهم الناس فى الحاجات والمصالح العامة فهولاء اذا اتفقوا على امر أو حكم وجب ان يطاعوا فيه بشرط ان يكونوا منا وان لا يخالفوا امر الله ولا سنة رسوله صلى الله عليه وسلم التى عرفت بالتواتر وان يكونوا مختارين فى بحثهم فى الامر واتفاقهم عليه وان يكونوا يتفقون عليه من المصالح العامة وهو ما لاولى الامر سلطة فيه ووقوف عليه۔ واما العبادات وكان من قبيل الاعتقاد الدينى فلا يتعلق به امر الحل والعقد بل هو مما يوخذ عن الله ورسوله فقط۔ ليس لاحد رأى فيه الا ما يكون فى فهمه۔" سید رشید رضا۔ تفسیر قرآن الحکیم۔ جلد ۵۔ ص ١٨١

٢٣ تفسیر۔ جلد چہارم۔ ص ۴۔ ٢٠٣   ٢٤ تفسیر۔ جلد پنجم ص ۴

رہے۔ فرانس کے وزیر امور خارجہ ہانوتو (M. HANOTAUX) نے اپنی حکومت کو "دنیائے اسلام کے ساتھ کس طرح بہتر تعلقات پیدا کئے جائیں" کے بارے میں ایک نوٹ پیش کیا، جس کا ایک عربی اخبار میں ترجمہ کیا گیا۔ اس مقالے میں وزیر موصوف نے دوسری باتوں کے علاوہ اسلام اور مسیحیت کا تقابلی جائزہ لیا تھا اور اس ضمن میں ذات الٰہی کی نوعیت پر یوں اظہار خیال کیا تھا کہ :-

"عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث انسان کی قدر و رفعت اور ذات الٰہی سے اس کے قرب کا مظہر ہے۔ لیکن توحید اور خدا کے ماورائے ادراک ہونے کے متعلق مسلمانوں کا جو عقیدہ ہے، وہ انسان کی بے حقیقتی اور بے بسی کو ظاہر کرتا ہے۔ مسیحیت نے انسان کو فاعل مختار قرار دے کر اس کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ مسائل کا عملی استعمال کرے۔ اور خود اعتمادی سے کام لے۔ لیکن اسلام نے تقدیر کا عقیدہ پیش کر کے انسان کو مجبور کر دیا ہے کہ اندھا دھند ایک ایسے قانون کے آگے سر تسلیم خم کر دے، جو قطعی طور پر غیر متغیر ہے۔"

شیخ محمدؒ عبدہ نے جب اس مقالے کو پڑھا تو فوراً اس کا جواب اسی اخبار میں چھپوایا جس میں ہانوتو کے مقالے کا عربی ترجمہ شائع ہوا تھا، انھوں نے لکھا کہ

"توحید کا مسئلہ سامی نہیں بلکہ صرف عبرانی عقیدہ ہے۔ کیونکہ فونیقی، عرب اور دوسرے سامی مشرک تھے۔ جہاں تک تقدیر کے مسئلے کا تعلق ہے، تو اس کی بحثیں کسی ایک مذہب سے مخصوص نہیں ہیں اس کے علاوہ انسان کی خود مختاری کا مسئلہ خود مسیحیوں کے ہاں بھی متفق علیہ نہیں کیونکہ ٹامسٹ یا ڈومینیکن "جبریہ" ہیں اور جیسوٹ "قدریہ" ہیں۔ قرآن جبریت سے انکار کرتا ہے اور کوئی چھیالیس[۴۶] آیات میں تسخیر و اختیار کی تعلیم دیتا ہے اور یہی وہ روح تھی جس کے تحت رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ اور مسلمانان سلف نے نہایت سرعت سے اسلام کی اشاعت کی ——— بلاشبہ بعد میں مسلم اقوام پر جمود و غفلت نے تسلط جمایا۔ یہ بعض ایسے تصورات کا اثر تھا جو بعض صوفیوں نے پھیلائے۔ لطف یہ ہے کہ یہ تصورات بھی آرین تھے جو ہندوستان و ایران سے آئے ——— توحید کا عقیدہ ایسا ہے جو کہ عقل انسانی کی مدد سے بھی قائم کیا جا سکتا ہے اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے جبکہ عقیدہ تثلیث میں تو عقل کو کوئی دخل ہی نہیں۔" [۲۵] ☆

---

[۲۵] چارلس۔ سی۔ ایڈمز۔ "اسلام اور تجدد مصر میں" (اردو ترجمہ عبدالمجید سالک) ص ۲۴-۱۲۲: تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ استاذ الامام۔ جلد دوم ۱۳۴۴ھ کا ایڈیشن صفحات ۵۱۰ و بعد۔